سُورۃ البقرۃ

آیات ٨٤ _ ٨٦

ملاحظہ : کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ' الاعراب' الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱' الاعراب کیلئے ۲' الرسم کیلئے ۳' اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ٢:٥:١(٣) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ٢:٥:٣ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

٥٢:٢ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ
اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْتُمْ
هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا
مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى

© rasailojaraid
© rasailojaraid

تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ
اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ
بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ
اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ
يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ
الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ
وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۞

۲ : ۵۲ : ۱ اللغـة

مربوط مضمون ہونے کی بنا پر ہم نے اس قطعہ میں تین آیات کو شامل کیا ہے اور ایک آیت کی طوالت کے باعث یہ (زیر مطالعہ) قطعہ آیات بھی ذرا طویل ہو گیا ہے۔ تاہم اس قطعہ کے قریباً پچاس سے زائد کلمات میں سے بیشتر پہلے ہی زیر بحث آ چکے ہیں' بلکہ نئے (پہلی دفعہ آنے والے) مادے اس میں کل آٹھ نو ہی ہیں۔ بہر حال کلمات کی لغوی تشریح کی تفصیل یوں ہے :

[وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ] قریباً یہی عبارت گزشتہ قطعہ آیات [۲ : ۵۱ : ۱] میں گزر چکی ہے' صرف یہ فرق ہے کہ یہاں "میثاق" کے بعد مضاف الیہ ضمیر "کُمۡ" ہے جب کہ گزشتہ قطعہ (۲ : ۵۱) میں اس کا مضاف الیہ "بنی اسرائیل" تھا۔ اس عبارت کے تمام کلمات کی الگ الگ لغوی تشریح کے گزشتہ حوالے بھی اسی [۲ : ۵۱ : ۱] میں دیئے جا چکے ہیں۔

● عبارت کا لفظی ترجمہ ہے "اور جب ہم نے لیا عہد تمہارا" یعنی "جب ہم نے تم سے میثاق / عہد / قول و قرار / پکا قول لیا" مخاطب اس میں بھی بنی اسرائیل ہی ہیں۔

[لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ] یہ بھی ایک جملہ بنتا ہے جس کے پہلے حصے "لا تسفِکون" کا مادہ "س ف ک" اور وزن (لائے نافیہ بمعنی "نہیں" نکال کر) "تَفۡعِلُوۡنَ" بنتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَفَكَ ... يَسۡفِكُ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

(بہانا۔گرانا(خون) کے باب اور معنی واستعمال پر البقرہ: ۳۰ [۲:۲۱:۱(۵)] میں بات ہو چکی ہے۔
گویا" لَا تَسْفِكُونَ" اس فعل مجرد سے فعل مضارع منفی" بِلا" کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ ہے
"تم نہیں بہاؤ گے" کیا نہیں بہاؤ گے؟ یہ آگے بیان ہوا ہے: دِمَاءَ کُمْ" کی آخری ضمیر مجرور "کُمْ"
بمعنی" تمہارا/ تمہارے/ تمہاری" ہے اور لفظ "دِمَاءٌ" کا مادہ "د م ی" اور وزن "فِعَال" ہے۔ اصلی شکل
"دِمَایٌ" تھی جس میں الف ممدودہ کے بعد آنے والی "ی" کو "ء" میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے۔ یہ
لفظ "دَمٌ" (بمعنی خون/ لہو) کی جمع مکسر ہے۔ اس لفظ کی مکمل لغوی تشریح بھی البقرہ: ۳۰ [۲:۲۱:۱(۶)]
میں گزر چکی ہے۔ یہاں دِمَاءَ کُم" کا ترجمہ ہے" تمہارے خون"۔

● اس طرح اس پورے جملہ (لا تسفِکون دِمَاءَ کم) کا لفظی ترجمہ بنا "تم نہیں بہاؤ گے تمہارے (یعنی
"اپنے") خون/ لہو"۔ پھر "اپنے خون" کا بامحاورہ ترجمہ "اپنوں کا خون/ اپنے خون/ آپس میں خون" سے کیا
گیا ہے۔ بعض حضرات نے یہاں کے "دِمَاء" آیا ہے (یعنی" خونوں کو نہیں بہاؤ گے)، اس مفہوم کو
بامحاورہ ترجمہ میں "باہمی خون ریزی" اور "آپس میں کشت و خون" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہاں بھی
(قطعہ ۲: ۵۱ کے "لا تعبدون" کی طرح) صیغہ مضارع منفی "میثاق" اور "قول و قرار" کی شرائط کے بیان
میں آیا ہے اس لیے اس میں دراصل فعل نہی کا مفہوم ہے۔ اس لیے" لا تسفکون" کا ترجمہ "اَن لا تسفکوا"
کی طرح "کہ تم مت بہاؤ" کی صورت میں کیا گیا ہے جس کی بامحاورہ صورتیں "(خون) نہ کرنا، (خون) نہ
بہانا (خونریزی) مت کرنا" اختیار کی گئی ہیں جن میں نہی کے ساتھ تاکید کا مفہوم بھی ہے۔ اگرچہ بعض
نے لفظی ترجمہ فعل مضارع ہی کے ساتھ "نہ کرو گے خون" سے بھی کیا ہے۔

۲:۵۲:۱(۱) [وَلَا تُخْرِجُونَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ] اس عبارت میں ابتدائی "وَلَا" - واوِ عاطفہ اور "لَا"
نافیہ ہے: "لَا" کی تکرار (ایک پہلے "لا تسفکون" میں آیا ہے) کے باعث یہاں "وَلَا" کا ترجمہ "اور
نہ ہی" ہوگا۔

تُخْرِجُوْنَ" کا مادہ "خ ر ج" اور وزن "تُفْعِلُوْنَ" ہے یعنی یہ اس مادہ سے باب افعال کا فعل مضارع
صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد ("خرَج یخرُج ۔ نکلنا) پر البقرہ: ۴۷ [۲:۴۶:۱(۵)]
میں اور باب افعال (اخرج یُخرج اِخراجًا = نکالنا) کے معنی وغیرہ پر البقرہ: ۲۲ [۲:۱۶:۱(۱۱)] میں
بات ہو چکی ہے۔

"اَنْفُسَكُمْ" کے ابتدائی حصّہ "اَنْفُس" (جو "نَفْسٌ" کی جمع مکسر ہے)، کے مادہ وغیرہ کی بات البقرہ
۹ [۱:۸:۱(۴)] میں "انفسھم" کے ضمن میں ہو چکی ہے۔" انفسکم" کا ترجمہ ہے" تمہاری/ اپنی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جانوں کو"۔

"مِنْ دِیَارِکُمْ" کے شروع میں "مِنْ" (بمعنی "میں سے") ہے اور آخر پر ضمیر مجرور "کُمْ" (بمعنی تمہارا/ تمہارے) ہے۔ اور باقی لفظ "دِیَارِ" (جو یہاں مجرور اور خفیف آیا ہے جس کی وجہ آگے "الاعراب" میں دیکھئے) کا مادہ "د و ر" اور وزن "فِعَالٌ" ہے۔ یہ دراصل "دِوَار" تھا۔ پھر واوِ مفتوحہ ماقبل مکسور "یاء" میں بدل کر لکھی بولی جاتی ہے (جیسے "رَضِوَ" سے "رَضِیَ" ہو جاتا ہے) اور لفظ "دیار" ہو جاتا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد "دارَ یدُورُ دَوْرًا" (نصر سے) کے بنیادی معنی ہیں: "گھومنا۔ گھوم جانا"۔ عموماً یہ بطور فعل لازم ہی استعمال ہوتا ہے اور "بِ" یا "علیٰ" کے صلات کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے اور کبھی بطور فعل متعدی "گھمانا اور لپیٹنا" کے معنی بھی دیتا ہے مثلاً "دارَ العِمامۃَ حولَ رأسِہ" (اس نے اپنے سر کے گرد پگڑی لپیٹی)۔ تاہم قرآن کریم میں یہ فعل مجرد صرف بطور فعل لازم اور بغیر کسی صلہ وغیرہ کے صرف اپنے ابتدائی معنی (گھومنا) میں صرف ایک جگہ (الاحزاب: ۱۹) استعمال ہوا ہے۔ اور اس سے مزید فیہ کے بابِ افعال سے بھی ایک ہی صیغہ فعل (البقرہ: ۲۸۲) آیا ہے۔ اس کے علاوہ اس مادہ سے مشتق اور ماخوذ کلمات (مثلاً دارٌ، دیار، دیّار، دائرۃ اور دوائر) متعدد جگہ آتے ہیں جن پر حسب موقع بات ہو گی، ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "دیار" (جو معرفہ نکرہ مفرد مرکب صورتوں میں قرآن کریم کے اندر ۱۶ جگہ آیا ہے) کا واحد "دارٌ" بمعنی "گھر" ہے (اور یہ لفظ بھی دراصل "دَوَرٌ" تھا پھر واو متحرکہ ماقبل مفتوح "الف" میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے اور لفظ "دار" ہو جاتا ہے) گویا دراصل "دور" کی ہی جمع "دِوار" تھی جو "دیار" بنی، جیسے "ثوب" (کپڑا) کی جمع "ثِواب" کی بجائے "ثِیاب" آتی ہے۔ "دِیار" کا مطلب ہے "گھروں"۔

● یوں اس زیرِ مطالعہ عبارت (ولا تخرجون انفسکم من دیارکم) کا لفظی ترجمہ بنے گا: "اور نہ ہی تم نکالو گے اپنی جانوں/اپنے شخصوں کو تمہارے (اپنے) گھروں میں سے"۔ پھر گزشتہ قطعہ کے "دماءکم" کی طرح یہاں بھی "انفسکم" کا بامحاورہ ترجمہ "اپنوں کو، اپنے لوگوں کو" یا "ایک دوسرے کو" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اور "من دیارکم" (اپنے گھروں میں سے) کا بامحاورہ ترجمہ "اپنے وطن سے"، "اپنی بستیوں سے" اور "انفسکم" کے ترجمہ "اپنوں کو" کی مناسبت سے اردو محاورے میں "دیارکم" کا ترجمہ "ان کے گھروں سے۔/وطن سے" کے ساتھ بھی کر دیا گیا ہے یعنی ضمیر مخاطب کی بجائے ضمیر غائب کے ساتھ۔ اسے محاورے کی مجبوری کہہ لیجئے۔ اسی طرح "لا تخرجون" کا ترجمہ نہی مؤکد کے ساتھ "نہ نکالنا، مت نکالنا" کی صورت میں کیا گیا ہے جس کی وجہ اوپر "لا تعبدون" اور "لا تسفکون" کے ضمن میں بیان ہوئی

© rasailojarai

ہے بعض نے "لاتخرجون" کا ترجمہ "نہ جلاوطن کرنا" سے کیا ہے جو اردو محاورے میں مستعمل ہے۔

۲:۵۲:۱(۲) [ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ] "ثُمَّ" (پھر/اس کے بعد) کئی دفعہ گزر چکا ہے "اَقْرَرْتُمْ" کا مادہ "ق ر ر" اور وزن "اَفْعَلْتُمْ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (قرّ یقِرّ = ٹھنڈا ہونا۔ ٹھیرنا وغیرہ) پر البقرہ: ۳۶ [۲:۲۶:۱(۲۰)] میں کلمہ "مُستقر" (ٹھکانا) کے ضمن میں بات ہوئی تھی۔ زیر مطالعہ لفظ "اقررتم" اس مادہ سے باب افعال کا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ باب افعال کے اس فعل "اَقَرَّ ... یُقِرُّ (اَقْرِرْ یُقْرِرُ) اقراراً" کے متعدد معنی ہیں مثلاً "ٹھنڈ میں داخل ہونا، ٹک جانا، مان لینا، پکا کرنا، نافذ کرنا" وغیرہ۔ اور "بِ" یا "لِ" (کے صلہ) کے ساتھ "اعتراف کرنا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اس سے "اقرار کرنا" بھی مستعمل ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل سے صرف چار صیغے (تین ماضی اور ایک مضارع) آئے ہیں۔ ماضی کے تینوں صیغوں میں یہ "اقرار کرنا" ہی کے لیے آیا ہے، البتہ مضارع کا صیغہ "پکا کرنا، ٹھیرائے رکھنا" کے معنی میں آیا ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں قریباً سب نے اس کا ترجمہ "تم نے اقرار کیا/اقرار کر لیا" سے ہی کیا ہے، ایک آدھ نے "قول منظور کر لیا" سے کیا ہے۔ مفہوم یکساں ہے۔

[وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ] اس میں "وَ" (اور) اور "انتم" (تم) کے بعد جو صیغہ فعل "تَشْهَدُوْنَ" آیا ہے جس کا مادہ "ش ہ د" اور وزن "تَفْعَلُوْنَ" ہے، اس کے فعل مجرد (شَهِدَ یشهَد = گواہ ہونا۔ مان لینا) کے باب وغیرہ پر البقرہ: ۲۳ [۲:۱۷:۱(۸)] میں بحث ہو چکی ہے۔ اس طرح یہاں اس عبارت (وانتم تشھدون) کا ترجمہ بنتا ہے "اور تم گواہی دیتے ہو"۔ جسے "تم شاہد ہو/شہادت دیتے ہو/گواہ ہو" کی صورت بھی دی گئی ہے اور بعض نے "اقرار کرتے ہو/مانتے ہوئے" سے بھی ترجمہ کر دیا ہے۔ بعض نے یہاں مخاطب کے صیغے کے باوجود ساتھ "انتم" لانے کی بنا پر ترجمہ یوں کیا ہے "اور (اس بات یعنی تمہارے بڑوں کے اقرار اور قبول میثاق کے) گواہ تو تم خود بھی ہو۔ یعنی گواہی دیتے ہو کہ ایسا ہی ہوا تھا۔"

[ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ] "ثُمَّ" (پھر) اور "انتم" (تم) کی طرح "ھٰؤلاءِ" پر بھی پہلے بات ہو چکی ہے دیکھئے البقرہ: ۳۱ [۲:۲۲:۱] میں۔ "ھٰؤلاءِ" جو اسم اشارہ قریب برائے جمع (مذکر و مؤنث) استعمال ہوتا ہے البقرہ: ۲ [۲:۱:۱(۱)] میں "ذٰلِكَ" کے ضمن میں اس کی ساخت اور بناوٹ پر بھی بات ہوئی تھی۔ "ھٰؤلاءِ" کا ترجمہ تو ہے "یہ سب (لوگ)"۔ اور یوں اس فقرے (ثم انتم ھٰؤلاء) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "پھر تم ہو یہ (لوگ)" جسے اردو محاورے کے مطابق "پھر تم وہ لوگ ہو/پھر تم وہی ہو/تم ہی وہ ہو/وہی تم ہو" کی صورت دی گئی ہے۔ اس پر مزید بات "الاعراب" میں ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

[تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ] "تقتلون" جو "ق ت ل" مادہ سے باب نصر کے فعل مجرد (قتل یقتل = مار ڈالنا۔ قتل کرنا) کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اس فعل کے معنی وغیرہ کی مزید وضاحت کے لیے دیکھ لیجیے البقرہ:۵۴ [۲:۳۴:۱(۴)] ۔ "انفسکم" ابھی اوپر گزرا ہے (لا تخرجون انفسکم" میں) لفظی ترجمہ اس جملے کا بنتا ہے "تم قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو" جس کی بامحاورہ صورت ہے "مار ڈالتے ہو/خون کرتے ہو/قتل کرتے ہو/کر دیتے ہو" یہاں بھی "انفسکم" کا بامحاورہ ترجمہ "اپنوں کو/آپس میں/اپنوں کا" بنتا ہے۔ اور چونکہ یہاں ان لوگوں کی کئی خرابیوں اور بُرے کاموں کا یکے بعد دیگرے ذکر ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) اس لیے اردو محاورے کی خاطر بعض نے یہاں فعل کے ساتھ "بھی" کا استعمال کیا ہے یعنی "اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو" اور چونکہ یہاں ان کے میثاق توڑ کر ماضی میں بھی اس کی خلاف ورزی کا ذکر ہے اس لیے بعض نے اسے تاریخی واقعات کے بیان کے طور پر بصیغہ ماضی ہی ترجمہ کر دیا ہے "تم باہم قتل کرنے لگے" کی صورت میں، جسے بلحاظ مفہوم ہی درست کہہ سکتے ہیں۔

[وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ] اس پورے جملے کے تمام کلمات پہلے گزر چکے ہیں مثلاً "تُخْرِجُوْنَ" ابھی اوپر بصیغہ منفی "لا تخرجون انفسکم" میں گزرا ہے۔ "فریقاً" کے مادہ، وزن (ف ر ق سے فَعِیل) کے فعل مجرد اور لفظ "فریق" (گروہ) کے معنی وغیرہ پر البقرہ:۷۵ [۲:۴۷:۱(۲)] میں بات ہو چکی ہے اور "مِنْ دِيَارِهِمْ" سے ملتی جلتی ترکیب "من دیارکم" ابھی گزری ہے جس میں لفظ "دیار" کی لغوی وضاحت کی جا چکی ہے۔ دیکھیے اوپر [۲:۵۲:۱(۲)] ۔

● یوں اس زیر مطالعہ عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے: "اور تم نکال دیتے ہو ایک گروہ کو اپنے میں سے گھروں ان کے سے"۔ پھر بامحاورہ کرنے کے لیے "فریقاً منکم" کا ترجمہ "اپنے ایک فرقہ کو/اپنے میں سے ایک گروہ کو/اپنے ہی ایک گروہ کو" کی صورت میں کیا گیا۔ "تُخْرِجُوْنَ" کا ترجمہ "نکال دیتے ہو" کے علاوہ "ترکِ وطن کراتے ہو/اور دیس نکالا کرتے ہو" سے بھی کیا گیا۔ مفہوم وہی ہے۔ اسی طرح "من دیارھم" (ان کے گھروں میں سے) کا ترجمہ "ان کے وطن سے" سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہاں بھی ان کی نمبروار برائیوں کے ذکر کی بنا پر اردو محاورے میں فعل کے ساتھ "بھی" کا استعمال موزوں ہے یعنی "نکال بھی دیتے ہو" کی صورت میں۔

۲:۵۲:۱(۳) [تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ] (یہاں املاء کا فرق اور فعل کی ساخت سمجھانے کے لیے "تظاھرون" رسم املائی کے مطابق لکھا گیا ہے اس کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی)

"تَظٰهَرُوْنَ" کا مادہ "ظ ہ ر" اور وزن (موجودہ) "تَفَاعَلُوْنَ" ہے۔ اصلی وزن "تَتَفَاعَلُوْنَ" اور

© rasailojaraid.com

اصلی شکل "تتظاھَرُون" ہے۔ پھر صیغہ مضارع میں دو "تاء" جمع ہونے کی صورت میں (جو باب تفعّل اور تفاعل کے صیغوں میں ہوتا ہے) ایک "تاء" کو کتابت اور تلفظ سے گرا دینا جائز ہوتا ہے (ضروری نہیں ہوتا)۔ تاہم قرآن کریم میں جہاں جو لفظ جس طرح آیا ہے اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔

● اس مادہ (ظھر) سے فعل مجرد "ظھَر یظھَر ظُھُورًا" (فتح سے) آتا ہے اور کے بنیادی معنی ہیں: "ظاہر ہو جانا، نمودار ہونا۔ چھپی ہوئی چیز کا سامنے آجانا"۔ اس کے مقابلے کا لفظ "بَطَنَ" (چھپا ہونا۔ پوشیدہ ہونا) ہے جیسے "لاتقربوا الفوا حش ما ظھَرَ منھا وما بَطَنَ" (الانعام: ۱۵۱) میں ہے (یعنی بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں) پھر اسی سے اس فعل میں "پھیل جانا، عام ہو جانا یا بکثرت ہونا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جیسے ظھر الفسادُ فی البر والبحرِ (الروم: ۴۱) میں ہے (یعنی فساد پھیل گیا خشکی اور سمندر (تری) میں) کبھی یہ بطور فعل متعدی "... پر چڑھنا" کے معنی دیتا ہے مثلاً کہتے ہیں "ظھرَ الجبلَ = وہ پہاڑ پر چڑھ گیا" اور قرآن میں ہے "فَمَا اسْطاعوا اَن یظھروہ" (الکہف: ۹۷) (یعنی وہ اس پر چڑھ نہیں سکتے۔ "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ اس کے معنی "... پر غلبہ پانا" اور "... سے آگاہ ہونا" بھی ہوتے ہیں جیسے "واِن یظھروا علیکم" (التوبہ: ۸) میں ہے (یعنی اگر وہ تم پر غلبہ پالیں) اور "او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء" (النور: ۳۱) میں ہے (یعنی وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی چیزوں سے آگاہ نہیں ہوئے)۔ اس فعل مجرد کے یہ (مذکورہ بالا) وہ معنی ہیں جو قرآن کریم میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ فعل مجرد (اسی باب سے مگر مختلف مصادر کے ساتھ) کچھ اور معانی بھی دیتا ہے جو کتب لغت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے مختلف صیغے دس جگہ آئے ہیں اور مزید فیہ کے ابواب اِفعال، مفاعلہ اور تفاعل سے مختلف صیغے ۱۶ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ متعدد مشتق اور ماخوذ کلمات (مثلاً ظَھْر، ظُھُور، ظاھر، ظھیر وغیرہ) تیس سے زائد مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ ان سب پر حسب موقع بات ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ (تظاھرون) اس مادہ سے تفاعل کا صیغہ مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔ اس باب سے فعل "تظاھر یتظاھر تظاھُرًا" کے معنی ہیں "باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا، تعاون کرنا"۔ [اوپر فعل کے لیے واحد کی بجائے تثنیہ (ماضی و مضارع) کے صیغے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل (اور عموماً باب تفاعل کے ہر فعل) کا فاعل ایک آدمی نہیں ہوتا۔ کم از کم دو آدمی (یا زیادہ بصیغۂ جمع) ہوتے ہیں]

© rasailojaraid.com

اور جب اس فعل کے بعد "علیٰ" کا صلہ آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے "کسی کے خلاف باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا" مثلاً کہیں گے : تظاھروا علیٰ فلانٍ" (ان سب نے فلاں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی یعنی اس کے مخالفوں کی مدد کی)، بابِ تفاعل کے اس فعل کے کل دو صیغے قرآن کریم میں تین جگہ آئے ہیں اور ہر جگہ اسی طرح "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ آئے ہیں۔

● اس طرح اس عبارت (تظاھرون علیھم) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "تم باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو ان کے خلاف" یا "تم مددگاری کرتے ہو ان پر"۔ پھر اسے بامحاورہ بنانے کے لیے "ان کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو" یا "ان کے مقابلے میں (ان کے مخالفوں کی) مدد بھی کرتے ہو" کی صورت میں ترجمہ کیا گیا ہے، اسی لیے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ "ان پر چڑھائی کرتے ہو" کے ساتھ کیا ہے جسے بلحاظ مفہوم ہی درست کہا جا سکتا ہے اور چونکہ اس باہمی مخالفانہ مدد کا تعلق ان کو گھروں سے نکالنے (تخرجون فریقًا منکم من دیارھم۔ سابقہ عبارت) سے ہے اس لیے بعض نے یہاں زیرِ مطالعہ عبارت کے صیغۂ مضارع کو "حال" کے معنی میں لے کر ترجمہ "ایک دوسرے کے مددگار بن کر (ان کو نکالتے ہو)" کی صورت میں بھی کیا ہے اس پر مزید بات حصہ "الاعراب" میں ہوگی۔

۲:۵۲:۱(۴) [بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ] ابتدائی "باء (بِ) کا ترجمہ یہاں "کے ساتھ" سے" یا "میں" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ باقی دو لفظ "الاثمِ" اور "العدوانِ" ہیں (جو یہاں مجرور بالجر ہیں) ان کی لغوی وضاحت الگ الگ کی جاتی ہے۔

① "اَلاِثْمُ" کا مادہ "ا ث م" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فِعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "اَثِمَ یَاْثَمُ اِثْمًا وَاَثَامًا" (سمع سے) کے معنی ہیں "گناہ گار ہونا۔ کوئی ایسا کام کرنا جو جائز اور حلال نہ ہو"۔ اور "اثَمَ یأثُمُ (نصر سے) کے معنی ہوتے ہیں "کسی کام کو گناہ قرار دینا اور اس کی سزا دینا" کہتے ہیں: یَاْثُمُہُ اللّٰہُ" (اللہ اسے گناہ گار قرار دے گا) اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب سے بھی مختلف معانی کے لیے فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی صیغۂ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس مادہ سے مشتق اور ماخوذ بعض کلمات (مثلاً اثم، اثام، آثم، اثیم، تأثیم وغیرہ) پچاس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● لفظ "اثم" (جو معرفہ نکرہ مفرد مرکب مختلف صورتوں اور حالتوں میں قرآن کریم کے اندر

© rasailojaraid

تیس ۳۰ سے زیادہ مقامات پر آیا ہے) فعل مجرد کا مصدر بھی ہے اور اس سے اسم بھی ہے جس کے معنی ہیں "ایسا بُرا کام جس پر آدمی سزا کا مستحق ہو جائے"۔ بقول راغب "ایسا کام جو ثواب اور خیرات یعنی بھلائیوں سے پیچھے رہ جانے یا دیر کرنے کا سبب ہو"۔ اس کا سادہ اردو ترجمہ ایک لفظ "گناہ" سے کیا جا سکتا ہے۔ عربی میں اس کے مقابلے کا لفظ "بِرٌّ" (نیکی) ہے۔ اگرچہ گناہ اور نیکی کے لیے عربی زبان میں۔ اور خود قرآن کریم میں بعض دوسرے الفاظ بھی آئے ہیں۔ عموماً "اثم" ایسے بُرے کام کو کہتے ہیں جس کا تعلق صرف گناہ کار کی ذات سے ہو بظاہر کسی دوسرے آدمی کا نقصان یا کسی پر ظلم اس میں شامل نہ ہو۔

(۲) "العُدْوَان" کا مادہ "ع د و" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فُعْلَانٌ" ہے۔ اس سے فعل مجرد (عدا یعدُو ۔ دوڑنا) پر البقرہ:۳۶ [۲:۲۶:۱(۱۹)] میں کلمہ "عَدُوٌّ" (دشمن) کے ضمن میں بات ہو لی تھی۔ یہ فعل مختلف معانی کے لیے مختلف مصادر کے ساتھ (ایک ہی باب سے) استعمال ہوتا ہے بقول راغب اس مادہ (عدو) میں بنیادی مفہوم "تجاوز" (کسی حد سے آگے بڑھنا) اور "عدم القیام" (اکٹھے اور یکجا نہ رہ سکنا) کا ہوتا ہے پھر اگر "مَشْیٌ" (پیدل چلنے) سے تجاوز ہو تو اسے "عَدْوٌ" (دوڑنا) کہتے ہیں اور اگر دلی موافقت سے تجاوز ہو تو اسے "عداوۃٌ" (دشمنی) کہتے ہیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں انصاف سے تجاوز ہو تو اسے "عُدْوانٌ" (زیادتی۔ظلم) کہتے ہیں۔ البتہ ان آخری معنوں کے لیے فعل مجرد کے ساتھ "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہتے ہیں "عدا علَیْہِ = (اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی۔ یا اس پر ظلم کیا)"۔ اس طرح یہ فعل (عدا یعدُو) لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ "عُدْوَان" ایسے بُرے کام یا گناہ کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسرے آدمی کے حقوق وغیرہ کا نقصان شامل ہو۔ یعنی "ظلم و زیادتی"۔

● اس طرح "اثم و عدوان" میں برائی اور گناہ کی تمام صورتیں آجاتی ہیں جسے اردو مترجمین نے "گناہ اور ظلم" یا "گناہ اور زیادتی" سے تعبیر کیا ہے۔ ان (زیادتی اور ظلم والے) معنی کے لیے اس مادہ (عدو) سے باب افتعال اور تفعل کے فعل بھی استعمال ہوتے ہیں، یہ بھی آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گے۔

۲:۵۲:۱(۵) [وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ] (عبارت میں کلمات، کی ساخت کی شناخت کے لیے "اُسَارٰی" اور "تُفَادُوْهُم" کو رسم املائی کے مطابق ہی لکھا گیا ہے۔ ان کے قرآنی رسم (عثمانی) پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی) ابتدائی "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "اِنْ" شرطیہ (بمعنی "اگر") ہے۔ "يَاْتُوْكُمْ"

© rasailojaraid

کی آخری ضمیر منصوب (کُمْ) یہاں بمعنی "تمہارے پاس" ہے اور صیغۂ فعل "یَأْتُوْا" (ضمیر منصوب یعنی مفعول کے بغیر صیغۂ فعل میں واو الجمع کے بعد زائد الف لکھا جاتا ہے جسے الف الوقایہ بھی کہتے ہیں) کا مادہ "ا ت ی" اور وزنِ اصلی "یَفْعِلُوْا" ہے۔ اس کی اصلی شکل "یَأْتِیُوْا" تھی جس میں واو الجمع سے ماقبل حرف علت (جو یہاں "ی" ہے) گرا کر اس کے ماقبل (جو یہاں "ت" ہے) کی حرکت کسرہ (ـِ) ضمہ (ـُ) میں بدل دی جاتی ہے اور یوں یہ لفظ "یَأْتُوْا" بنتا ہے۔ اس قسم کے متعدد صیغہ ہائے فعل پہلے گزر چکے ہیں

● اور یہ لفظ (یَأْتُوْا) اس مادہ (ا ت ی) کے فعل مجرد (اَتٰی یَأْتِیْ = آنا) سے فعل مضارع مجزوم کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے جو در اصل تو "یَأْتُوْنَ" (مندرجہ بالا تعلیل کے بعد) بنتا تھا مگر شروع میں "اِنْ" شرطیہ کے لگنے سے مجزوم ہو کر آخری "ن" گر گیا ہے۔ فعل مجرد "اَتٰی یَأْتِیْ" کے باب معنی اور استعمال پر سب سے پہلے البقرۃ:۲۳ [۲:۱۷:۱(۴)] میں اور پھر [۲:۱۸:۱(۷)] میں بھی بحث ہو چکی ہے۔

● اس طرح "وَاِنْ یَّأْتُوْکُمْ" کا لفظی ترجمہ ہے "اور اگر وہ آتے ہیں تمہارے پاس" جسے بعض نے "اگر وہ تم تک پہنچ جاتے ہیں" سے ترجمہ کیا ہے کیونکہ آگے ان کے قید ہو کر "آنے" کا ذکر ہے اس صورت حال کے لیے "آنے" کی بجائے "پہنچ جانا" موزوں ترجمہ ہے۔ بعض نے فعل مضارع کے ساتھ ہی ترجمہ "آئیں / آویں" کی صورت میں کیا ہے۔ جب کہ بعض نے عبارت کے مجموعی مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے (جس میں "ان" کو قتل کرتے اور گھروں سے نکالتے بھی ہیں اور پھر قیدی ہو کر آئیں تو ان کو چھڑاتے بھی ہیں" کا ذکر ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے) یہاں "اگر وہ" کی بجائے "اگر وہی / وہی لوگ" سے ترجمہ کیا ہے (یعنی وہی جن کے قتل اور جلا وطنی کے مرتکب ہوتے ہو)۔ بعض حضرات نے بصورت واحد (وہ آئے) ترجمہ کیا ہے جو اصل عبارت کے خلاف ہے۔

● "اساریٰ" کا مادہ "ا س ر" اور وزن "فُعَالٰی" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "اَسَرَ ... یَأْسِرُ اَسْرًا" (ضرب سے) کے بنیادی معنی ہیں "کسی چیز (خصوصاً کجاوہ وغیرہ کو) مضبوطی سے باندھ دینا" پھر یہ مطلقاً "کسی کو قیدی بنا لینا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی اس کا زیادہ استعمال "کسی کو جنگ میں قیدی بنا لینا" کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے (جنگی) قیدی کو عربی میں "اَسِیْر" (بروزن "فَعِیْل") کہتے ہیں۔ (جیل کے قیدی کے لیے لفظ "مَسْجُوْنٌ" استعمال ہوتا ہے)۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے مضارع کا ایک صیغہ ایک ہی جگہ (الاحزاب:۲۶) میں آیا ہے اس کے علاوہ اس مادہ سے ماخوذ اور مشتق اسماء (اَسْر، اسیرٌ، اَسْریٰ واساریٰ) کئی جگہ آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "اُسَارٰی" جمع مکسر ہے جس کا واحد "اسیرٌ" (بمعنی قیدی) ہے لفظ "اسیر" کی ایک

© rasailojaraid

جمع "أُسَارَى" بھی ہے (یہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے) اردو میں لفظ "قیدی" واحد جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے (قیدی آیا۔ قیدی آئے) اس لیے یہاں "اسارٰی" کا ترجمہ "قیدی" ہی کیا گیا ہے البتہ (جیسا کہ آگے "الاعراب" میں بیان ہوگا) یہاں چونکہ لفظ "اسارٰی" حال ہو کر آیا ہے اس لیے "اسارٰی" کا ترجمہ "قیدی ہو کر، قیدی بن کر، قید ہو کر، اسیر ہو کر" کیا گیا ہے بعض نے یہی مفہوم "گرفتار ہو کر" "بندی وان ہو کر" اور "کسی کی قید میں پڑے (ہوئے)" سے ظاہر کیا ہے۔

● "تُفَادُوْهُمْ" کی آخری ضمیر منصوب "هُمْ" (بمعنی "ان کو") ہے اور باقی صیغہ فعل "تُفَادُوْا" (ضمیر مفعول ہٹانے کے بعد واو الجمع کے ساتھ الف الوقایہ لکھنا ضروری ہے) کا مادہ "ف د ی" اور وزن اصلی "تُفَاعِلُوْا" ہے اصلی شکل "تُفَادِيُوا" تھی جس میں واو الجمع سے ماقبل حرف علت (ی) گر کر اس سے پہلے کے حرف (عین کلمہ "د") کی کسرہ ضمہ میں بدل دی جاتی ہے (یعنی ـِ یُ وْ = ـُ وْ)۔ اور یوں یہ لفظ "تُفَادُوا" بنتا ہے جو دراصل اس مادہ (ف د ی) سے باب مفاعلہ کا فعل مضارع مجزوم (صیغہ جمع مذکر حاضر) ہے یعنی یہ "تُفَادُوْنَ" تھا جس کا آخری "ن" بوجہ جزم گر گیا ہے ("جزم" کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی)

● اس مادہ (ف د ی) سے فعل مجرد "فَدَى ... يَفْدِي فِدَاءً" (ضرب سے) کے معنی ہیں "... کو (مال وغیرہ دے کر قید وغیرہ سے) چھڑا لینا" جس کو چھڑایا جائے وہ بطور مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور جو چیز اس کے عوض یا بدلے میں دی جائے اس سے پہلے "با" (ب) کا صلہ آتا ہے مثلاً کہیں گے "فَدَى فُلَانًا بِمَالِهِ" (اس نے فلاں کو اپنے مال کے عوض چھڑا لیا)۔ اس فعل مجرد سے صرف ایک صیغہ ماضی ایک ہی جگہ (الصافات: ۱۰۷) وارد ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے باب مفاعلہ اور افتعال سے افعال کے مختلف صیغے آٹھ جگہ اور لفظ "فداءً" اور "فِدْيَة" بھی چار مقامات پر آئے ہیں، ان پر حسب موقع بحث ہوگی ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "تُفَادُوا" اس مادہ سے باب مفاعلہ کے فعل مضارع مجزوم کا صیغہ (جمع مذکر حاضر) ہے۔ اس باب سے فعل "فادی ... يُفَادِي مُفَادَاةً و فِدَاءً" کے معنی ہیں "کوئی چیز عوض میں دے کر ... کو چھڑا لینا"۔ یعنی یہ فعل مجرد والے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے ایک معنی "باہم قیدیوں کا تبادلہ کر لینا" بھی ہیں یعنی "اپنے پاس موجودہ قیدی دے کر مخالف سے اپنے آدمی (جو وہاں قید ہیں) چھڑوا لینا"۔ قرآن کریم میں باب مفاعلہ کا یہ فعل صرف اسی ایک جگہ استعمال ہوا ہے۔

یوں "تفادوهم" کا لفظی ترجمہ ہے "تو تم عوض دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو" ——— اور اسی مفہوم

© rasailojaraid

کو' تم ان کو چھڑوائی دیتے ہو/ تم چٹی بھر کر ان کو چھڑواتے ہو/ بدلہ دے کر چھڑاتے ہو/ کچھ خرچ کر کے رہائی دلا لیتے ہو/ رہا کرا دیتے ہو' کی صورت میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ خیال رہے "کچھ دینا" اور "چھڑا لینا" دونوں مفہوم باب مفاعلہ کے اس فعل کے اندر شامل ہیں۔

● یوں اس پوری عبارت "وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْھُمْ" کا ترجمہ بنتا ہے "اور اگر وہ (ہی) تمہارے پاس آجائیں قیدی ہو کر تو تم ان کو بدلے میں کچھ دے کر چھڑا (بھی) لیتے ہو" ترجمہ میں "ہی" اور "بھی" لانے کی وجہ اوپر بیان ہوئی ہے بلکہ الگ الگ اجزائے عبارت کے الگ الگ معانی (تراجم) بھی لکھے گئے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے آپ اس عبارت کا بامحاورہ ترجمہ کئی طرح سے کر سکتے ہیں۔ یا مختلف تراجم میں مترجم کے انتخابِ الفاظ کی وجہ سمجھ سکتے ہیں۔

۲:۵۲:۱(٦) [وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُھُمْ] اس جملہ میں صرف "مُحَرَّمٌ" نیا لفظ ہے باقی کلمات پہلے گزر چکے ہیں مثلاً "وَ" (جو یہاں بمعنی "حالانکہ" ہے) کے لیے دیکھئے [۱:۴:۱(۳)] "ھُوَ" (ضمیر واحد مذکر غائب بمعنی "وہ" ہے) "عَلَیْکُمْ" (تم پر) جار مجرور ہے اور "اِخْرَاجُھُمْ" (اُن کو نکال دینا) کے پہلے حصے (اِخْرَاج) پر (جو "خ ر ج" مادہ سے بابِ افعال کا مصدر ہے) اس سے پہلے البقرہ:۲۲ [۲:۱٦:۱(۱۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ اور نئے لفظ [مُحَرَّمٌ] کا مادہ "ح ر م" اور وزن "مُفَعَّلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "حَرَمَ ... یَحْرِمُ حِرْمَانًا" (ضرب سے) کے معنی ہیں: "... کو ... سے روک دینا" یعنی اس کے دو مفعول ہوتے ہیں جس کو روکا جائے اور جس سے روکا جائے اور دونوں مفعول بنفسہٖ آتے ہیں مثلاً کہیں گے "حَرَمَ فُلَانًا الشَّیْئَ" (اس نے فلاں کو چیز سے روک دیا) جس سے کوئی چیز روک دی جائے اسے "مَحْرُوْم" (بصیغہ اسم مفعول) کہتے ہیں جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ باب کرم سے فعل (مثلاً حَرُمَ الشَّیْئُ) کے معنی "ممنوع ہونا" ہوتے ہیں اور اس کا مصدر "حُرْمَةٌ" ہوتا ہے (جو "حُرْمَت" کی املاء کے ساتھ اردو میں مستعمل ہے)۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کسی طرح کا (اور کسی باب سے) کوئی صیغہ فعل استعمال نہیں ہوا۔

● زیر مطالعہ لفظ (مُحَرَّم) اس مادہ سے باب تفعیل کا صیغہ اسم المفعول ہے۔ باب تفعیل سے فعل "حَرَّمَ ... یُحَرِّمُ تَحْرِیْمًا" کے معنی ہیں: "... کو حرام قرار دینا" (خود "حرام" کا لفظ جو اسی مادہ سے ماخوذ ہے اردو میں رائج ہے اور "حرام" کے معنی بھی "ایسی چیز ہیں جس کے استعمال سے یا جس کی بےحرمتی سے روک دیا جائے")۔ اس فعل (حَرَّمَ یُحَرِّمُ) کے بھی دو مفعول ہوتے ہیں: جو چیز حرام کی جائے اور جس پر حرام کی جائے۔ پہلا مفعول براہِ راست بغیر کسی صلہ کے (بنفسہٖ) آتا ہے اور دوسرے مفعول سے

© rasailojaraid

پہلے "علیٰ" کا صلہ آتا ہے جیسے "حرّم علیکم المیتۃَ" (البقرہ: ۲:۱۷۳) میں ہے (یعنی اس نے حرام کر دیا تم پر مردار) البتہ کبھی دوسرا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جو عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے جیسے "وحرّم الرِبٰوا" (البقرہ: ۲۷۵) میں ہے (یعنی اس نے سود حرام قرار دیا)۔ دراصل اس فعل میں بھی وہی "روک دینے" اور "منع کر دینے" کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں باب تفعیل کے اس فعل سے مختلف صیغہ ہائے فعل چالیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اس مادہ (ح ر م) سے ماخوذ مشتق کلمات (حَرَمٌ، حُرُمٌ، حَرام، حُرُمَات، محرُوم، محرّمٌ وغیرہ) بھی چالیس سے زائد جگہ وارد ہوئے ہیں جن پر اپنی اپنی جگہ مزید بات ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● اس طرح لفظ "محرّمٌ" کے معنی تو بنتے ہیں "حرام کیا ہوا" جسے اردو میں صرف "حرام" سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے ـ اسی لیے بیشتر مترجمین نے یہاں "محرّم علیکم" کا ترجمہ "تم پر حرام تھا/ ہے" سے ہی کیا ہے بعض نے "ممنوع ہے" اور "روا نہ تھا" سے ترجمہ کیا ہے مفہوم وہی ہے البتہ جن حضرات نے "حرام کر دیا تھا" سے ترجمہ کیا ہے وہ اصل عبارت سے تجاوز ہے کیونکہ یہ تو "حَرّمَ" کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے یوں اس پوری عبارت (وھو محرّم علیکم اخراجُھم) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "حالانکہ وہ حرام (کیا ہوا) ہے (یا تھا) تم پر نکال دینا ان کو"۔ جس کا با محاورہ بنتا ہے "حالانکہ وہ ہی (یعنی) ان کو نکال دینا تم پر حرام (تھا/ ہے)" اسی کو بعض نے "نکال دینا ہی/ نکال دینا بھی" سے ترجمہ کیا ہے اس میں "ہی" یا "بھی" لانے کی وجہ واوالحال کے ساتھ ضمیر مرفوع "ھُوَ" اور پھر اس کے بدل "اِخراجُھُمْ" کا استعمال ہے۔ اس پر مزید بات آگے "الاعراب" میں ہوگی۔

[فَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ] اس جملے کے تمام کلمات (افعال، اسماء اور حروف) کے معانی اور ان کی لغوی تشریح کئی دفعہ پہلے گزر چکی ہے مثلاً ① ابتدائی "أفَ" (کیا پس) کے متعلق یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ اگر "فَ" کے ساتھ استفہام (سوال) کے لیے ہمزہ استفہام (أ) استعمال ہو تو ہمزہ پہلے اور "فاء" بعد میں آتی ہے یعنی (أَفَ....)۔ اور اگر استفہام کے لیے "أ" کی بجائے "ھَلْ" لگے تو "فا" پہلے اور "ھَلْ" بعد میں استعمال ہوتا ہے (یعنی فَھَلْ...) مطلب دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے۔

② تُؤْمِنُوْنَ بِ.... (جو "ا م ن" سے باب افعال آمن یُؤمِنُ = ایمان لانا، کا صیغہ مضارع جمع مذکر حاضر ہے) کے مادہ، باب، معنی اور اس کے ساتھ "باء (ب)" کے صلہ کے استعمال وغیرہ کی مفصل بحث البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۱)] میں گزر چکی ہے یعنی "تم ایمان رکھتے ہو.... پر"۔

③ "بعض الکتاب" (کتاب کا بعض یعنی کچھ حصہ)۔ ویسے تو "بعض" اردو میں بھی مستعمل ہے تاہم اس

© rasailojaraid.

کی مزید لغوی تشریح کے لیے چاہیں تو [۴:۱۹:۱:۱(۳)] اور [۲:۲۶:۱:۱(۱۸)] پر نظر ڈال لیجئے۔
اسی طرح "الکتاب" (جس سے مراد یہاں آسمانی کتاب ہے) کی مکمل لغوی تشریح [۲:۱:۱:۱(۲)]
میں گزر چکی ہے۔

④ "وَتکفُرُون بِ..." (جو کہ ف ر" مادہ سے باب نصر کا صیغۂ مضارع ہے) کے معنی اور اس کے ساتھ "باء" (بِ) کے بطور صلہ استعمال کی بابت چاہیں تو [۲:۵:۱(۱)] اور [۲:۱۴:۱:۱(۱۴)] میں دیکھ لیجئے = یہاں یہ "تم انکار کرتے ہو یا کفر کرتے ہو ... سے" کے معنی میں آیا ہے۔

⑤ "بعضٍ" کا ترجمہ تو مشکل نہیں البتہ اس کے یہاں "نکرہ" آنے کی وجہ پر "الاعراب" میں بات ہوگی۔

● یوں اس عبارت (افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعضٍ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کیا پھر تم ایمان لاتے / رکھتے ہو کتاب کے بعض (یعنی کچھ حصہ) پر اور / حالانکہ انکار کرتے / کفر کرتے ہو تم کسی بعض (حصہ) کا"۔ بامحاورہ ترجمہ کے لیے "بعض" کا ترجمہ "ایک حصہ، بعض احکام، بعض بات، کچھ حکموں" سے کیا گیا ہے جن میں "احکام، حکموں یا باتیں" تفسیری اضافے ہیں مثلاً "کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے"۔ کیونکہ "کفر یکفر = انکار کرنا" کا ہی ترجمہ "نہ ماننا" "ایمان نہ رکھنا" سے بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح "بعض احکام / ایک حصے کو مانتے ہو اور بعض احکام / ایک حصے کا انکار کرتے ہو"۔ اسی طرح "کچھ مانتے ہو اور کچھ نہیں مانتے" یا "کتاب کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے" کی صورت میں بھی یہی مفہوم نسبتاً کم الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

[۲:۵۲:۱:۱(۷)] [فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا] اس عبارت میں لغوی لحاظ سے نیا تشریح طلب لفظ "خِزْیٌ" ہے۔ باقی الفاظ کی لغوی تشریح براہِ راست یا بالواسطہ اس سے پہلے گزر چکی ہے مثلاً ① "فَمَا" کی "فاء" کا مطلب یہاں "تو پھر" ہے اس "فَ" کے معانی کے لیے دیکھئے [۲:۱۶:۱:۱(۱۰)] "مَا" یہاں استفہامیہ (بمعنی کیا؟) بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ (بمعنی "نہیں" ہے) بھی۔ مَا کے مختلف استعمالات کے لیے چاہیں تو [۲:۲:۱:۱(۵)] کے علاوہ [۲:۱۹:۱:۱(۲)] — اور [۲:۴۷:۱:۱(۵)] بھی دیکھ لیجئے۔

② "جَزَاءٌ" (جو یہاں بوجہ اضافت خفیف ہے) کا مادہ "ج ز ی" اور وزن "فَعَالٌ" ہے یہ دراصل "جَزَایٌ" تھا پھر الف ممدودہ کے بعد والی "ی" (اور "و" بھی) ہمزہ (ء) میں بدل کر لکھی بولی جاتی ہے۔
اس مادہ سے فعل مجرد (جزَی یجزِی = بدلہ دینا) کے باب و معنی اور صلہ اور بغیر صلہ کے استعمال پر البقرہ ۴۸ [۲:۳۰:۱:۱(۳)] میں بات ہوئی تھی۔ لفظ "جَزَاءٌ" اس فعل کا مصدر بھی ہے اور بطور

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

اسم "جزا، سزا، بدلہ" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳) "مَنْ" یہاں موصولہ (بمعنی "جو کوئی کہ، جو کوئی) ہے "مَنْ" کے مختلف استعمالات پر البقرہ: ۸ [۲: ۸: ۱(۴)] میں بات ہوئی تھی۔

(۴) "یَفْعَلُ" (جو فعل یفعل "کرنا" سے فعل مضارع کا پہلا صیغہ ہے) اس کے معنی وغیرہ البقرہ: ۲۴ [۲: ۲۴: ۱(۱۱)] بیان ہوئے تھے۔

(۵) "ذٰلِكَ" (بمعنی "وہ") کی وضاحت کے لیے [۲: ۱: ۱(۱)] پر نظر ڈال لیجئے!

(۶) "مِنْكُمْ" جار مجرور (بمعنی "تم میں سے") ہے۔ حرف الجر "مِنْ" کے استعمالات و معانی بحث الاستعاذہ میں اور پھر البقرہ: ۳ [۲: ۲: ۱(۵)] میں دیکھ لیجئے۔

(۷) "اِلَّا" حرف استثناء (بمعنی "مگر، سوا، بجز) کی وضاحت [۲: ۸: ۱(۳)] میں گزر چکی ہے۔

(۸) [خِزْیٌ] (جو یہاں پہلی دفعہ آیا ہے) کا مادہ "خ ز ی" اور وزن "فِعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "خَزِیَ یَخْزٰی خِزْیًا" (سمع سے) کے معنی ہیں: "رسوا ہونا، ذلیل ہو جانا"۔ اور اسی باب سے مگر "خَزَایَةٌ" مصدر کے ساتھ اس فعل کے معنی "شرمانا، شرمندگی محسوس کرنا" ہوتے ہیں۔ بعض کتب لغت (مثلاً لسان العرب اور المعجم الوسیط) میں اسے "خ ز و" مادہ سے لیا گیا ہے گویا یہ ایسا ہے جیسے "رضو" مادہ سے باب سمع میں "رَضِیَ" ہو جاتا ہے جب کہ بعض (مثلاً القاموس المحیط اور البستان) میں "خ ز و" الگ مادہ (اور اس سے فعل خَزَا یَخْزُو (نصر کے معنی "مطیع کرنا" ہیں) شمار کیا ہے اور "خ ز ی" الگ مادہ قرار دیا ہے جو باب سمع سے مندرجہ بالا دو معانی (رسوا ہونا/شرمانا) کے لیے آتا ہے۔

قرآن مجید میں اس فعل مجرد (خَزِیَ یَخْزٰی) سے صرف ایک جگہ (طٰہٰ: ۱۳۴) ایک صیغۂ مضارع (نَخْزٰی) آیا ہے اور "رسوا ہونا" والے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بابِ افعال سے مختلف صیغے ۱۲ جگہ اور خود زیر مطالعہ لفظ (خِزی) ۱۱ جگہ اور اس سے افعل التفضیل (اَخْزٰی) اور باب افعال کا اسم الفاعل (مخزی) بھی ایک ایک جگہ آئے ہیں۔

● زیرِ مطالعہ لفظ "خِزْیٌ" فعل مجرد کا مصدر ہے اور بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے متعدد معانی ہیں مثلاً "رسوائی، ذلت، ندامت، بے عزتی، آفت زدگی"۔ اس کے علاوہ بعض دفعہ یہ "بربادی" اور "سزا" کے معنی بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ زیادہ تر "رسوائی" اور "ذلت" والے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔

(۹) "فِی" (جس کا عام ترجمہ "میں" ہے) کے بطور حرف الجر و بطورِ صلہ استعمال پر [۲: ۱: ۱(۵)] اور پھر

© rasailojaraid

[۲:۱۴:۱:۱(۴)] میں بات ہوئی تھی۔

⑩ "الحیوۃ" کا مادہ "ح ی ی" اور وزن اصلی (لام تعریف کے بغیر) "فَعَلَۃٌ" ہے اصلی شکل "حَیَیَۃٌ" تھی جس میں (دوسری) یائے متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لفظ "حیاۃ" بنتا ہے تاہم یہ لفظ قرآن کریم میں "حَیٰوۃ" لکھا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ "و" تفخیم کے لیے (ی کو پُر کر کے پڑھنے کے لیے) لکھی جاتی ہے اور یہ اہل یمن کے طریق تلفظ اور طریق کتابت کے مطابق ہے۔ البتہ قرآن کریم میں بھی جب یہ لفظ مضاف ہو کر آئے تو الف سے ہی لکھا جاتا ہے جیسے "حیاتی" میں اس لفظ (حیوۃ) کا اردو ترجمہ "زندگی" سے ہی کیا جاتا ہے۔ اس مادہ (ح ی ی) سے فعل مجرد کی بحث البقرہ ۲۶: [۲:۱۹:۱:۱(۱)] کلمہ "یستحي" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

⑪ "الدنیا" کا مادہ "د ن و" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فعلیٰ" ہے گویا یہ دراصل "دُنوٰی" تھا جس میں خلاف قیاس ایک تو "و" کو "ی" میں بدل دیا جاتا ہے اور پھر آخری "یاء" کو (جو الف مقصورہ [illegible] الف کی شکل میں بدل جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کی دو صورتوں باب نصر سے "دنا یَدنُو" (قریب ہونا) اور باب سمع سے "دَنِیَ یَدنٰی" (گھٹیا ہونا) پر اس سے پہلے البقرۃ: ۶۱ [۲:۳۹:۱:۱(۱۰)] میں کلمہ "ادنی" کے سلسلے میں بات ہوئی تھی۔

● کلمہ "دُنیا" اسی "اَدنٰی" کا صیغہ مؤنث (افعل التفضیل) ہے جسے اگر فعل "دنا یدنُو" سے لیں تو اس کا مطلب "نزدیک ترین" بنتا ہے اور اگر اسے "دَنِیَ یَدنٰی" سے لیں تو اس کا مطلب "سب سے گھٹیا/کمتر ین" بنتا ہے۔ اور اس صورت میں اس (دُنیا) کی اصلی شکل بھی "دُنْیَی" (بروزن فُعْلٰی) ہو گی کیونکہ لام کلمہ (و) فعل مجرد میں ہی "ی" میں بدل گئی تھی ("دَنِوَ" ہی "دَنِیَ" بن گیا تھا) اور یوں "دُنیَی" کی صرف املا ہی "دُنیا" ہو جاتی ہے۔

● دونوں صورتوں میں لفظ "الدنیا" سابقہ لفظ "الحیوۃ" (زندگی) کی صفت ہے یعنی "نزدیک ترین زندگی" (بمقابلہ "آخرۃ" یعنی سب سے آخر پر آنے والی زندگی) یا "کم ترین یا گھٹیا زندگی" (آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں گھٹیا نعمتوں والی)۔ تاہم اردو میں اس کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا صرف "دنیوی زندگی" ہی کہتے ہیں بلکہ اردو محاورے کی بنا پر اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کی بجائے (جیسا کہ وہ اصل عربی میں ہے) مرکب اضافی کی شکل میں یعنی "دنیا کی زندگی" سے ہی کر دیا جاتا ہے۔

● اس طرح مندرجہ بالا مفردات کے الگ الگ معانی و ترجمہ بیان ہو چکنے کے بعد اور ان کی روشنی میں زیر مطالعہ پوری عبارت (فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزیٌ فی الحیوۃ الدنیا) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے

© rasailojaraid.c

ملبس کیا ہے (یا نہیں ہے) بدلہ اس کا جو کرے وہ تم میں سے مگر رسوائی ہی (دنیوی (یا دنیا کی) زندگی میں بھی) مطلب اور مفہوم یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی سزا دنیا میں بھی ذلت ہی ہے۔ بیشتر مترجمین نے ابتدائی "فما" کا ترجمہ استفہام کے ساتھ (کیا سزا، کیا بدلہ) کیا ہے بعض نے "ما نافیہ" کے ساتھ (کوئی سزا نہیں کچھ سزا نہیں) ترجمہ کیا ہے تاہم "اِلَّا" (مگر سوائے اس کے کی کے آنے سے دونوں کا مفہوم ایک ہی بنتا ہے "یعنی صرف یہی سزا ہے کہ"۔ اسی طرح بعض نے "خِزْیٌ" کا ترجمہ "رسوائی" کی بجائے "کہ رسوا ہو" سے کیا ہے جو اصل لفظ سے تجاوز ہے گو مفہوم درست ہے۔ اسی طرح "یفعل ذٰلک" (۔۔۔ کرے وہ) کا وضاحتی ترجمہ "ایسا کرے" "ایسی حرکت کرے"، "یہ کام کرے" سے کیا گیا ہے جو محاورے کا تقاضا تھا۔ اور بعض نے "الحیٰوۃ الدنیا" کا ترجمہ صرف "دنیا" ہی کیا ہے اسے بھی محاورہ و مفہوم کی بناء پر ہی درست کہا جا سکتا ہے۔

۲:۵۱:۲ (۸) [وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ] اس عبارت میں بھی (جو ایک مکمل جملہ ہے) نیا لفظ "یُرَدُّوۡنَ" ہے۔ باقی کلمات یا تو اسی شکل میں پہلے گزر چکے ہیں (مثلاً "وَ"، "یَوۡم"، الی، اشد اور العذاب) یا جس مادہ سے وہ ماخوذ ہیں اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (مثلاً "القیامۃ") یہاں ہم نمبروار تمام کلمات کا ترجمہ لکھے دیتے ہیں اور مزید لغوی تشریح کے لیے گزشتہ حوالہ دیتے جائیں گے۔ یا جہاں ضروری ہوا مزید وضاحت کرتے جائیں گے مثلاً

① "وَ" یہاں بمعنی "اور" ہے اس (وَ) کے مزید معانی کے لیے دیکھئے [۱:۴:۱(۳)]

② "یومَ القیامۃِ" (جو مرکب اضافی ہے) کے پہلے جزء (یَوۡم بمعنی دن) کی لغوی تشریح [۱:۳:۱(۲)] میں "یوم الدین" کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔ دوسرے جزء "القیامۃ" (جو یہاں برسم املائی لکھا گیا ہے اس کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی) کا مادہ "ق و م" اور وزن اصلی "فِعَالَۃٌ" ہے گویا یہ دراصل "قِوَامَۃٌ" تھا جس میں واوِ مفتوحہ ماقبل مکسور "ی" میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ یعنی ـِوَ = ـِیَ۔ اس مادہ سے فعل مجرد (قام یقوم = کھڑا ہونا) کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ:۶ [۱:۵:۱(۴)] میں کلمہ "مستقیم" کے ضمن بات ہو چکی ہے۔

● کلمہ "قیامۃ" بھی "قَوۡمَۃٌ" اور "قیامٌ" کی طرح فعل "قَامَ یقُوۡمُ" کا ایک مصدر ہے جس کا مطلب ہے "کھڑا ہو جانا" (اس کی ضد "قَعَدَ" (بیٹھ جانا) ہے) یوں "یوم القیامۃ" کا مطلب ہوا "کھڑے / یا اٹھ کھڑے ہونے کا دن"۔ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب "مرنے کے بعد دوبارہ زندہ (ہو کر کھڑے) ہونے کا دن" ہے۔ تاہم لفظ "قیامت" اردو زبان میں (لمبی "ت" کی املاء کے ساتھ) مستعمل اور متعارف

© rasailojaraid.com

ہے اس لیے "یوم القیامۃ" کا ترجمہ "قیامت کا دن" ہی کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ صرف "قیامت" بھی کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ "قیامت" اپنے اصطلاحی معنی کے ساتھ ان الفاظ (مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ کی طرح) میں سے ہے جو قرآن کریم نے عربی زبان کو دیئے۔ اور اسی لیے دنیا کی متعدد اسلامی زبانوں (فارسی، ترکی، اردو، پنجابی سندھی وغیرہ) میں یہ اپنے اصل اصطلاحی معنی کے ساتھ مستعمل ہے۔

● بعض "روشن خیال" حضرات نے "الحیٰوۃ الدنیا" کا ترجمہ "حال کی زندگی" اور "یوم القیامۃ" کا ترجمہ "مستقبل کی زندگی" کی صورت میں کرکے ایک ابہام پیدا کر دیا ہے جس میں بظاہر "انکارِ قیامت" کی "بُو" آتی ہے کیونکہ عام فہم قرآنی و اصطلاحات سے اجتناب یقیناً کسی ذہنی اور فکری خرابی (بلحاظ عقیدہ) کی علامت ہے۔

(۴) [یُرَدُّوْنَ] اس لفظ کا مادہ (جو یہاں پہلی دفعہ آیا ہے) "ردد" اور وزن "یُفْعَلُوْنَ" ہے۔ یہ دراصل "یُرْدَدُوْنَ" تھا۔ پھر پہلی "د" کی حرکت فتحہ (ـَ) اس کے ماقبل ساکن حرف (ر) کو دے کر پہلی "د" کو دوسری "د" میں مدغم کرکے لکھا بولا جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "رَدَّ... یَرُدُّ رَدًّا و مَرَدًّا" (نصر سے) [illegible] ...دینا" ہے۔ گویا یہ عربی کے فعل "صَرَفَ یَصْرِفُ" کے ہم معنی ہے۔ تاہم بلحاظ استعمال اس کے معانی زیادہ ہیں چنانچہ یہ حسبِ موقع "واپس بھیجنا، واپس کر دینا، واپس لانا، واپس لینا" کے علاوہ "ہٹا دینا، ٹال دینا، روکنا، رد کرنا، نامنظور کرنا، دھکیل دینا" کے معنی بھی دیتا ہے اور بعض دفعہ "لوٹا دینا" بات دہرا دینا اور دوبارہ بنا دینا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ قرآن کریم میں یہ فعل قریباً مندرجہ بالا تمام معانی کے لیے آیا ہے

● راغب نے "المفردات" میں لکھا ہے کہ اس فعل میں جو "پھیر دینا یا لوٹا دینا" کا مفہوم ہے وہ (رَدّ) دو طرح کا ہوتا ہے، کسی چیز کو بعینہٖ اسی حالت میں پھیر دینا یا واپس لے آنا، جیسے (فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ) (القصص: ۱۳) میں ہے "یعنی ہم نے اس کو (موسیٰ کو) اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا"۔ "ردّ" کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں لوٹا دیا (دوبارہ بنا دیا) جائے، جیسے "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" (التین: ۵) میں ہے "یعنی پھر ہم نے اس (انسان) کو پستیوں کی انتہا کی طرف لوٹا دیا / پست ترین بنا دیا"۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے بصورت معروف یا مجہول مختلف صیغے قریباً ۴۳ جگہ آئے ہیں۔ اور مزید فیہ کے باب افتعال اور تفعل کے کچھ صیغے ۹ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ اس مادہ سے ماخوذ و مشتق اسماء اور مصادر (مثلاً رَدٌّ، مَرَدٌّ، مردود وغیرہ) بھی ۱۵ مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "یُرَدُّوْنَ" فعل مجرد سے مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس کا ترجمہ بنتا ہے

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

وہ سب لوٹائے جائیں گے" جسے بعض نے اصل بنیادی معنی کے ساتھ "پھیرے جاویں گے یا پھیرے جائیں گے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے جس کو بامحاورہ کرنے کے لیے "پہنچائے/پہنچا دیئے جائیں گے" "ڈال دیئے جاویں، یا جائیں گے" اور "ڈالے بھی جائیں گے" کی صورت اختیار کی ہے۔ (یہاں ڈالنا "بمعنی دھکیل دینا استعمال ہوا ہے) بعض نے "لوٹائے جائیں گے" ہی رہنے دیا ہے۔

④ "اِلیٰ" (کی طرف، تک) کئی دفعہ گزر چکا ہے مثلاً دیکھئے [۲:۲۶:۱(۱۰)]

⑤ "اشدّ" (سب سے زیادہ سخت، سخت سے سخت، سخت ترین، بڑا ہی سخت) اس کے مادہ وزن وغیرہ کی وضاحت البقرۃ: ۷۴ [۲:۴۶:۱(۲)] میں ہو چکی ہے۔

⑥ "العذاب" (عذاب اردو میں عام مستعمل ہے) حتیٰ کہ کسی نے اس کا ترجمہ کسی اور لفظ (سزا وغیرہ) سے کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ بہرحال اس کی لغوی تشریح البقرہ: ۷ [۲:۶:۱(۶)] میں دیکھ لیجئے۔

● زیر مطالعہ عبارت "ویومَ القیامة یُرَدُّونَ الی اشدِّ العذاب" کے تمام کلمات (اسماء، حروف اور افعال) کی مندرجہ بالا وضاحت اور تراجم و معانی کے بیان کے بعد غالباً اب آپ خود اس کا مجموعی ترجمہ کو اطمینان سے سمجھ سکتے ہیں۔

⑦ [وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ] بعینہٖ یہی جملہ اس سے پہلے البقرۃ: ۷۴ [۲:۴۶:۱(۷)] کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ جہاں اس کے تمام اجزاء (کلمات) کی لغوی وضاحت ہوئی تھی۔ اس عبارت کا سادہ لفظی ترجمہ ہے "اور نہیں ہے اللہ بےخبر اس سے جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔"

[أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ] یہ بھی ایک مکمل جملہ ہے جس کے تمام کلمات کی لغوی وضاحت پہلے ہو چکی، یہاں ہم ہر ایک کلمہ کے ترجمہ اور لغوی تشریح کے لیے گزشتہ حوالہ دے دیتے ہیں مثلاً

① "اُولٰئِکَ" (وہ سب) کے لیے دیکھئے البقرۃ: ۵ [۲:۴:۱(۱)]

② "الذین" (وہ سب جو کہ) کے لیے دیکھئے الفاتحہ: ۷ [۱:۶:۱(۱)]

③ "اِشْتَرَوْا" (انہوں نے خرید لیا) کے مادہ، فعل مجرد اور اس سے باب افتعال کے اسی صیغہ کی بناوٹ، اس میں ہونے والی تعلیل اور معانی و تراجم البقرۃ: ۱۶ [۲:۱۲:۱(۱)] میں دیکھئے۔

④ "الحیوۃ الدنیا" پر مفصل لغوی بحث (ہر دو کلمات کی) ابھی اوپر والی آیت میں [۲:۵۲:۱(۷)] میں کی جا چکی ہے۔

© rasailojaraid

⑤ "بالآخرۃ" (آخرت کے عوض)، لفظ "الاٰخرۃ" کی مکمل لغوی بحث البقرہ: ۴ [۲:۴:۱(۵)] میں گزر چکی ہے البتہ وہاں "بالآخرۃ" کی 'با' (ب) فعل "یوقنون" کے صلہ کے طور پر (بمعنی 'پر') آئی تھی جبکہ زیر مطالعہ لفظ "بالآخرۃ" کی 'با' (ب) فعل "اِشتروا" کے ساتھ (بمعنی "کے عوض") آئی ہے۔ مزید دیکھ لیجئے [۲:۲:۱۶] میں اس کا استعمال۔

● یوں اس عبارت (اُولٰئِکَ الذین اشتروا الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ) کا لفظی ترجمہ بنا "وہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی دنیوی زندگی آخرت کے عوض" یعنی اپنی آخرت خراب کر لی دنیا کی زندگی (کے فوائد) کے بدلے" یا یوں کہیے کہ "اپنی دنیا بناتے رہے اور آخرت برباد کرتے رہے"۔

۲:۵۲:۱(۹) [فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ] ابتدائی "فلا" ("فاء فصیحہ اور "لا" نافیہ (بمعنی پس نہیں/ پھر نہیں) کو چھوڑ کر اگلے صیغہ فعل "یُخَفَّفُ" کا مادہ "خ ف ف" اور وزن "یُفَعَّلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "خفّ یخِفّ خِفَّۃً وخَفًّا" (ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "ہلکا ہونا" ہیں۔ اس کی ضد "ثقل" (وزنی ہونا) ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

"خَفَّ المیزانُ" (ترازو کا کم وزن والا پلڑا اوپر کو اٹھ گیا یعنی (تولی جانے والی چیز کا) وزن کم ثابت ہو گیا) پھر یہ فعل "تیزی سے چلنا، کم ہونا (بارش کا)، کم عقل ہونا، پھرتیلا ہونا، معمولی ہونا اور (رنگ کا) شوخ نہ ہونا یعنی ہلکا ہونا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اسم صفت "خفیف" (ہلکا) ہے جو بعض صورتوں میں مدح (اچھی بات) ہوتی ہے اور بعض دفعہ مذمت کا پہلو رکھتا ہے۔ جیسا کہ اوپر دیئے گئے فعل کے مختلف معانی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس فعل کا ایک مصدر "خِفَّۃ" ("خِفّت" کی املاء کے ساتھ) اردو میں "ندامت اور بے عزتی" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس میں بھی بنیادی عربی مفہوم (ہلکا ہونا) موجود ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے ایک ہی صیغہ فعل "خَفَّتْ" (ماضی واحد مؤنث غائب) تین جگہ آیا ہے۔ اور "وزن میں کم ہونا" والے معنی کے لیے ہی آیا ہے۔ اور مزید فیہ کے باب تفعیل اور استفعال سے افعال کے کچھ صیغے گیارہ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ اس مادہ سے ماخوذ اور مشتق مصدر اور اسم بھی تین جگہ آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "یُخَفَّفُ" اس مادہ سے باب تفعیل کے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس باب سے فعل "خفَّفَ ..... یُخَفِّفُ تخفیفاً" کے معنی ". . . کو ہلکا کرنا، . . . کا بوجھ کم کر دینا" ہوتے ہیں۔ اور یوں یہ فعل "... کی شدت میں کمی کرنا" کے معنی بھی دیتا ہے۔ اس کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

(جو بعض دفعہ غیر مذکور بھی ہوتا ہے) البتہ جس پر سے (بوجہ سزا وغیرہ) کم کی جائے اس پر "عَن" کا صلہ آتا ہے۔ قرآن کریم میں اس باب سے فعل ماضی معروف کا صرف ایک صیغہ (خَفَّفَ) صرف ایک جگہ (الانفال: ۶۶) مفعول غیر مذکور کے ساتھ آیا ہے۔ اور مضارع (معروف و مجہول) کے صیغے آٹھ جگہ آئے ہیں۔ "فَلَا يُخَفَّفُ" کا لفظی ترجمہ ہوا "پس ہلکا نہ کیا جائے گا"۔

"عَنْهُمْ" کا ابتدائی "عَن" (سے) وہی ہے جس کا اوپر فعل "يُخَفَّفُ" کے ساتھ صلہ کے طور پر استعمال کا ذکر ہوا ہے۔ اس فعل (فلا يخفف) کے ساتھ استعمال کی بنا پر یہاں "عَنْهُمْ" کا ترجمہ "ان پر سے" یا صرف "ان سے" ہو گا۔

• "العَذابُ" لفظ "عذاب" (بمعنی سزا) اردو میں مستعمل ہے تاہم چاہیں تو اس کی لغوی وضاحت کے لیے دیکھ لیجئے البقرہ: ۷ [۲:۶:۱(۷)]

[وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ] بعینہٖ یہی جملہ اس سے پہلے البقرہ: ۴۸ [۲:۳۱:۱(۷)] میں گزر چکا ہے "ترجمہ ہے اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی"۔ ان کلمات کی لغوی تشریح اور مختلف تراجم کی بنیاد سمجھنے کے لیے گزشتہ حوالہ دیکھئے۔

(جاری ہے)

خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علی مرتضیٰؓ

اب کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات ۵۲، عمدہ طباعت، قیمت (اشاعت عام) -/۷ روپے

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

© rasailojaraid.